© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

پچھلی صحبت میں مجبوراً اُس بحث کا سلسلہ روک دینا پڑا تھا جو آغاز سال سے مسلسل چل رہی تھی۔ ربطِ کلام کی خاطر، براہِ کرم ماہ ربیع الثانی کے اشارات پر دوبارہ ایک نظر ڈال لیجیے۔

اب تک ہم نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت داخلی مقاومت یا مزاحمانہ تعاون کا طریقہ اختیار کر کے مسلمان کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن یہ حقیقت کا محض سلبی پہلو ہے۔ اس کا ایجابی پہلو یہ ہے کہ قومیت اور جمہوریت کے اصول جب تک بدل نہ جائیں، تعاون کی پالیسی اختیار کر کے بہرحال ہم نقصان ہی اٹھائیں گے، خواہ مقاومت کے ارادے سے تعاون کریں یا معاونت کے ارادے سے ــــــ یہ وہ مقام ہے جہاں اچھے خاصے دیدہ ور لوگوں کو بھی دن کی روشنی میں خندق کے کنارے نظر نہیں آتے، اس لیے ذرا تفصیل کے ساتھ ہم روشنی ڈال کر دکھائیں گے کہ سطح پر جو ہری ہری گھاس نظر آرہی ہے اس کے نیچے کتنی بڑی اور کتنی گہری خندق چھپی ہوئی ہے۔

جہاں تک نظریات اور مقاصد کا تعلق ہے ہندو مہاسبھا اور کانگریس میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں وطنی قومیت کی علمبردار ہیں۔ دونوں اس ملک میں "فرقوں" (قوموں) کے امتیازی وجود کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہیں۔ دونوں علیحدگی پسندی (Separatist tendency.)
کے ہر رجحان کی دشمن ہیں حتی کہ کسی معاملہ میں بھی وہ مسلمان کے جداگانہ مفاد کا نام سننے کی روادار نہیں۔
دونوں اس ملک کی پوری آبادی کو ایک قوم فرض کرکے یہاں ٹھیٹھ جمہوریت کے اصول (ہر استثنا سے پاک کرکے) رائج کرنا چاہتی ہیں۔ دونوں کی خواہش یہ ہے کہ یہاں زندگی کے تمام معاملات خالص اور مجرد اکثریت سے طے ہوں۔ اور دونوں کا آخری نصب العین یہ ہے کہ یہاں ایک قومیت پیدا ہو جائے جو تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت، زبان و ادب، جذبات و حسیات، غرض ہر لحاظ سے بالکل یک رنگ ہو۔ قومیت اور جمہوریت کے متعلق کانگریسی لیڈروں اور مہا سبھائی لیڈروں کے نظریات میں الفاظ اور اصطلاحات کے سوا قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ جہاں مونجے "ہندو" کا لفظ بولتے ہیں وہاں جواہر لال "ہندوستانی" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر معنیً دونوں ایک ہیں۔

اس اتحاد کے ساتھ سیاسی پالیسی میں بھی دونوں متفق ہیں۔ کچھ مدت پہلے دونوں میں بظاہر اختلاف تھا۔ کانگریس یہ دعویٰ کرتی تھی کہ اس کا نصب العین آزادی کامل ہے اور وہ انقلابی جدوجہد سے انگریزی امپیریلزم کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔ بخلاف اس کے ہندو مہا سبھا یہ کہتی تھی کہ انگریزی سلطنت سے آزاد ہونے کے بعد "ایک قوم" بنانے کا عمل دشوار بلکہ محال ہو جائے گا۔ یہ عمل صرف اسی طرح پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے کہ انگریزی سلطنت کے زیر سایہ جمہوریت کے اصولوں پر حکومت خود اختیاری حاصل کی جائے، یعنی انگریز کی فوجی طاقت مسلمانوں کو دبانے کے لئے اس وقت تک موجود رہے جب تک کہ ہندو اس ملک کے تمام انتظامی اختیارات پر قابض ہو کر معاشی دباؤ اور تعلیمی انقلاب کے ذریعہ سے مسلمان کی قومیت کو ہندی قومیت میں تحلیل کر دینے پر قادر نہ ہو جائے۔ مہا سبھا کی رائے میں آزادی کامل کا نام اس عمل کی تکمیل کے بعد ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے انگریزی اقتدار کو مٹانے کی کوشش کرنا بھارت ورش کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔

——— چند سال تک محض ظاہری طور پر کانگریس اور مہا سبھا میں یہ اختلاف قائم رہا۔ مگر ظاہری اختلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی دور ہو چکا ہے۔ مہاسبھا کی طرح کانگریس بھی اپنی نمائشی انقلابیت کو چھوڑ کر کھلم کھلا دستوری ارتقاء کی پالیسی پر اتر آئی ہے اور دونوں بالاتفاق امپیریلسٹ اسٹیٹ کے تحت ناظم (Administrator.) کے فرائض انجام دے رہی ہیں

اب اگر ان دونوں میں کوئی فرق باقی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک ہندو مہاسبھا ہے اور دوسری انڈین نیشنل کانگریس۔ مہاسبھا صحیح طور پر ہندوؤں کی جماعت ہے۔ کوئی مسلمان اس میں شریک نہیں ہو سکتا، نہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف دعوت دے سکتی ہے، نہ مسلمانوں میں جا کر اس کا میکٹ کر سکتی ہے، نہ کسی صوبہ کی حکومت پارٹی سسٹم کی بنیاد پر قائم کر سکتی ہے، نہ کہیں خالص ہندو وزارت قائم کر کے یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ "یہ قومی وزارت" ہے، نہ وارد ھا اسکیم اور ودیامندر اسکیم بنا کر مسلمانوں پر انہیں مسلط کرنے کی جرأت کر سکتی ہے، نہ یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ ڈاکٹر مونجے اور بھائی پرمانند مسلمانوں کے بھی ویسے ہی نمائندے ہیں جیسے ہندوؤں کے ہیں، نہ اسلامی اکثریت کے صوبوں میں وزارت پر اپنا کنٹرول قائم کر سکتی ہے، اور نہ اقلیت ہی کے صوبوں میں یہ اقتدار حاصل کر سکتی ہے کہ مسلمان وزراء کو اپنی گرفت میں جکڑ کر رکھے اور ذرا سے انحراف پر ان کی گوشمالی کر دے ــــــ کانگریس یہ سب کچھ کر سکتی ہے کیونکہ وہ ہندو مہاسبھا نہیں ہے بلکہ "انڈین نیشنل کانگریس" ہے۔

اس فرق کے ساتھ یہ دونوں ایک دوسرے کے نقص کی تکمیل کر رہی ہیں۔ جو کام کانگریس کر سکتی ہے وہ مہاسبھا نہیں کر سکتی اور جو مہاسبھا کر سکتی ہے وہ کانگریس نہیں کر سکتی۔ کانگریس پیش قدمی کرنے والی فوج ہے جو آگے بڑھ کر غنیم کے علاقے پر قبضہ کرتی ہے، اور مہاسبھا وہ محافظ دستہ ہے جو عقب میں رہتا ہے تاکہ آگے کی فوج کو حسبِ ضرورت مدد پہنچاتا رہے۔ کانگریس پر جب کبھی مشترک وطنی جماعت ہونے کی وجہ سے دباؤ پڑتا ہے، ہندو مہاسبھا فوراً آگے بڑھ کر اس کی پشت کو سہارا دیتی ہے اور مسٹر ساورکر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر مونجے، بھائی پرمانند وغیرہ شور مچانے لگتے ہیں کہ ہندوؤں کے نمائندے ہم ہیں، گاندھی جی یا جواہر لال نہیں ہیں۔ ایسے نازک مواقع کے لئے اگر عقب میں محفوظ فوج موجود نہ ہو تو مقدمۃ الجیش کو اپنی "قوم پرستی" کا دعویٰ نباہنا مشکل ہو جائے۔ محفوظ فوج کی مدد کام بھی نکال دیتی ہے اور بات بھی بنی رہتی ہے۔

یہ صورتِ واقعہ جو میں نے بیان کی ہے اس سے کوئی باخبر آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ تاہم کچھ لوگ ہماری قوم میں ایسے بھی ہیں جن کو آزادی کی خواہش نے اندھا بنا دیا ہے اور وہ بالکل سامنے کی چیزوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے میں اپنے دعوےٰ کے ثبوت میں ایسی صریح شہادتیں پیش کرنا چاہتا ہوں جو حقیقتِ حال کو زیادہ سے زیادہ منقح کر دیتی ہیں۔

کانگریس کا دعویٰ تھا کہ وہ آزادی کامل چاہتی ہے۔ مگر اول تو ایک مدت تک آزادی کامل کی تفسیر کرنے سے احتراز کیا جاتا رہا، اور آخر میں اس کی تفسیر کی گئی تو یہ کہ ہندوستان آزاد قوموں کے اس وفاق میں شامل ہو جائے جو عبارت ہے برٹش کامن ویلتھ (دولت مشترکۂ برطانیہ) سے۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء کی ہری پورہ کانگریس کے خطبۂ صدارت میں مسٹر سوباش چندر بوس فرماتے ہیں:-

"برطانوی سلطنت اس وقت تاریخ کے دوراہوں میں سے ایک دوراہے پر کھڑی ہے۔ یا تو وہ اسی انجام سے دوچار ہوگی جو دوسری سلطنتوں کا ہو چکا ہے، یا اسے اپنے آپ کو آزاد قوموں کے ایک وفاق میں تبدیل کرنا ہوگا۔ . . . . برطانیہ عظمیٰ کے لئے اپنے نظامِ سلطنت کے اندرونی تضاد و تباین کو ختم کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ سلطنت کو آزاد قوموں کے ایک وفاق میں تبدیل کرے۔"

یہ الفاظ صاف طور پر کانگریس کے نصب العین کو واضح کر رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہا پسند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کانگریسی بھی، جن کی قیادت کا شرف مسٹر بوس کو حاصل ہے، برطانوی دولت مشترکہ کے اندر "آزاد قوموں" کے اس دائرے میں جگہ پانے سے زیادہ کسی چیز کے طالب نہیں ہیں، جس کا مرکز و محور تاج برطانیہ ہو، اور جس کا مفاد سلطنت برطانیہ کے مفاد کے ساتھ متحد ہو جائے۔ اس مضمون پر مزید روشنی پنڈت جواہر لال کے اس بیان سے پڑتی ہے جو انھوں نے ابھی چند روز ہوئے پراگ (Prague.) میں دیا تھا اور جس پر انڈیا آفس کی طرف سے ان کا شکریہ بھی ادا کیا گیا تھا، یعنی یہ کہ

"انگلستان کے دشمن ہمارے دشمن ہیں" (ٹریبیون مورخہ ۱۹ اگست ۳۸ء)

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جس آزاد ہندوستان کا خواب جواہر لال اینڈ کو دیکھ رہے ہیں اس کی خارجی پالیسی کا دامن انگلستان کی خارجی پالیسی کے دامن سے بندھا رہے گا۔ اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ہندو مہا سبھا کے نصب العین اور کانگریس کے نصب العین میں کوئی فرق ہے؟۔

آزادی کامل کا جھنڈا جب بلند کیا گیا تھا، تو ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ کیا گیا تھا کہ کانگریس کا مقصد انقلابی تحریک سے برطانوی امپیریلزم کے شکنجہ کو توڑ دینا ہے، اور اس کے بعد آزاد ہندوستان اپنا دستور حکومت خود مرتب کرے گا۔ پھر جب انگریزی سلطنت نے غلام ہندوستان کے لئے دستور حکومت بنایا تو انتخابات کی جد و جہد میں یہ کہہ کر حصہ لیا گیا کہ ہم اندر سے اس دستور کو توڑیں گے۔ مگر جب انتخابات میں کامیابی حاصل ہو گئی تو دستور کو توڑنے کے بجائے اس کو چلانے کی پالیسی اختیار کی گئی، اور نئے دستور کی برکتوں کا اقرار کیا جانے لگا۔ چنانچہ نہرو کانگریس میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے فرمایا:۔

"چند مہینوں کی مختصر مدت میں کانگریسی وزارتوں نے اس سے زیادہ کام کیا ہے جتنا برطانوی حکومت گذشتہ ڈیڑھ سو برس میں کر سکی ہے"، (ٹائمز آف انڈیا۔ مورخہ ۲۳ فروری ۳۸ء)

اور مسٹر سوبھاش چندر بوس نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کانگریس محض باہر سے تخریبی طریق کار ہی پر اعتقاد نہیں رکھتی، بلکہ وہ اندر رہ کر تعمیری طریق کار اختیار کرنے کو انسب سمجھتی ہے۔" (ٹریبیون مورخہ ۱۵ جون ۱۹۳۸ء)

اس طرح ۱۹۳۶ء کی نمائشی انقلابیت ۱۹۳۸ء تک پہنچتے پہنچتے دستوری ارتقائیت میں تبدیل ہو گئی۔ سلطنت برطانیہ کے بنائے ہوئے دستور کی تمام حدود وقیود کو قبول کر کے نہایت محنت کے ساتھ انتظامی خدمات انجام دی جانے لگیں، اور ہمارے انقلابی دوستوں کو یہ یاد بھی نہ رہا کہ وہ امپیریلزم کو مٹانے کا دعویٰ لے کر اٹھے تھے۔ خود ایک کانگریسی لیڈر، مسٹر ایم این رائے، اس تغیر کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اسمبلیوں میں جانے کا پروگرام اختیار کرنے کے بعد خصوصًا وزارتیں قبول کرنے کے بعد کانگریسی سیاست تیزی کے ساتھ دستوریت (Constitutionalism.) کی طرف ترقی معکوس کر رہی ہے اور برطانوی امپیریلزم سے لڑنے کی انقلابی ذہنیت کافور ہو گئی ہے۔" (ٹریبیون مورخہ یکم مئی ۱۹۳۸ء)

یہاں پھر کانگریس اور مہاسبھا متفق ہیں۔ مہاسبھا بھی یہی چاہتی ہے کہ جدید دستور جو اقتدار بھی دیتا ہے اسے لے کر پوری طرح استعمال کرو تا کہ آئندہ کے لئے "راستہ صاف کیا جا سکے"۔

وزارتیں قبول کرتے وقت یہ کہا گیا تھا کہ ہم اہلِ ملک کی حالت کو درست کریں گے، برطانوی حکومت کے ظالمانہ قوانین کو منسوخ کر دیں گے، اور لوگوں کی آزادی پر جو ناجائز پابندیاں ہیں ان کو اٹھا دیں گے۔ مگر ایک سال سے زیادہ مدت کا ریکارڈ آپ کے سامنے موجود ہے۔ کانگریسی حکومتوں نے انگریزی سلطنت کے دستور جدید ہی کی نہیں بلکہ اس کے ظالمانہ قوانین تک کی پابندی پوری وفاداری کے ساتھ کی ہے، ایک موقع کے سوا جب کہ ہری پورہ کانگریس سے پہلے سوشلسٹ جماعت کا منہ بند کرنے کی ضرورت تھی، باقی تمام مواقع پر اس امر کی کوشش کی ہے کہ گورنروں سے تصادم نہ ہونے پائے، اور باشندگانِ ہند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو فائدہ پہنچانے کی اُن تمام صورتوں سے اجتناب کیا ہے جنہیں عمل میں لانے کے لئے آئینِ جدید کی پابندیوں کو توڑنا پڑتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ کانگریسی حکومتوں نے وہ سب کچھ کیا ہے جس کے لئے وہ پرانی ظالمانہ حکومت کو مطعون کرتی تھی۔

سب سے زیادہ جس چیز کا شور بلند کیا گیا تھا وہ یہ تھی کہ کانگریس ہندوستانی عوام کے افلاس کا مداوا کرنا چاہتی ہے اور اس کا اولین کام کسانوں اور مزدوروں کی خستہ حالی کا انتظام کرنا ہے۔ مگر اس کے لئے عملاً کیا کیا گیا؟ صرف چند مثالوں سے حقیقت ظاہر ہوئی جاتی ہے۔

اب سے دو سال پہلے یو پی کی کانگریس کمیٹی نے مطالبہ کیا تھا کہ شرح مالگذاری میں ۵۰ فی صدی کی تخفیف کی جائے۔ مگر جب خود کانگریس نے وزارت سنبھالی تو صاف کہدیا گیا کہ سابقہ حکومت مالگذاری میں جتنی تخفیف کر چکی ہے اس سے زیادہ تخفیف ممکن نہیں (نیشنل کال مورخہ ۳۱ جولائی ۳۸ء) اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مالگذاری کم کرنے سے بجٹ کا توازن بگڑتا ہے، اور بجٹ کا توازن بگڑنا اُس امپیریلیسٹ حکومت کے مفاد کے خلاف ہے جس کی وفادارانہ خدمت انجام دینے کے لئے یہ حضرات ایوانِ وزارت میں تشریف لے گئے ہیں۔

کسانوں کے بعد مزدوروں کو لیجئے۔ احمد آباد، شولاپور، اور کانپور میں کانگریسی حکومتوں نے مزدوروں کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے، کیا کوئی صداقت پسند آدمی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ پرانی ظالمانہ حکومت کے برتاؤ سے کچھ بھی مختلف ہے؟ اس پر مزید یہ کہ غریب مزدور اپنے حقوق تسلیم کرانے کے لئے اگر ہڑتال یا ستیاگرہ یا پکٹنگ کرتے ہیں تو وہی گاندھی جی جنھوں نے خود یہ تمام ہتھیار انگریزی حکومت کے خلاف استعمال کئے تھے، ان پر تشدد کا الزام عائد کرتے ہیں اور بلا تکلف فرماتے ہیں کہ ”کانگریس ان کے خلاف پولیس کی امداد طلب کرنے میں، اور کانگریسی حکومت ایسی امداد بہم پہنچانے میں بالکل حق بجانب ہوگی،، (ہریجن مورخہ ۱۳ اگست ۳۸ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بھی کہا گیا تھا کہ کانگریس اُن ظالمانہ قوانین کو منسوخ کرائے گی جو انگریزی حکومت نے نافذ کئے تھے اور باشندگانِ ہند کو ان کے کھوئے ہوئے مدنی حقوق (Civil liberties.) واپس دلائے گی۔ مگر واقعات کیا ہیں؟ وہ اکثر و بیشتر قوانین بدستور موجود ہیں جو انگریزی حکومت نے نافذ کئے تھے۔ اور وہ صرف موجود ہی نہیں ہیں بلکہ کانگریسی حکومت آزادی کے ساتھ ان کو استعمال کر رہی ہے اور بالکل انہی دلائل کے ساتھ ان کے استعمال کو حق بجانب قرار دے رہی ہے، جو کسی زمانہ میں انگریز حکام پیش کیا کرتے تھے۔

وہی کانگریسی جو کہتے تھے کہ بغاوت ہمارا مذہب ہے، مدراس میں مسٹر باٹلی والا پر بغاوت کا مقدمہ چلاتے ہیں، اور بمبئی اور سی پی میں مسٹر باپٹ اور مسٹر جگناتھ پرشاد ورما کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔

ایک طرف سیاسی قیدیوں کی رہائی کے لئے شور مچایا جاتا ہے اور دوسری طرف شولاپور میں "یوم استقلال" کے موقع پر بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا جاتا ہے، اور ان میں سے ایک شخص کو سزائے تازیانہ بھی دی جاتی ہے۔ حالانکہ اس سزا کے خلاف کسی زمانہ میں ہنگامۂ قیامت برپا کر دیا جاتا تھا۔

سیاسی ایجی ٹیشن کے مواقع پر دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ، گولیاں چلانا اور لاٹھی چارج کرنا اسی طرح جاری ہے جس طرح پہلے تھا۔ کانپور، چراله، اور دھراوی کے واقعات کافی مشہور ہو چکے ہیں۔

کرمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ، جس کے خلاف کانگریس ہی نے سب سے زیادہ شور مچایا تھا، آج کانگریسی حکومتیں ہی بے تکلف اس کو استعمال کر رہی ہیں۔ احمد آباد میں مزدوروں کا سر کچلنے کے لئے اسے استعمال کیا گیا، اور مدراس میں ہندی زبان کو ناراض باشندوں پر زبردستی مسلط کرنے کے لئے آج کل آئے دن اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔

وہی سی آئی ڈی جس کی زیادتیوں پر کسی زمانہ میں ماتم کیا جاتا تھا، آج کانگریسی حکومتیں اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی مخالفین کے خلاف اس سے پوری آزادی کے ساتھ کام لے رہی ہیں، اور مدراس کا وزیر اعظم صاف کہتا ہے کہ جب ہم نے حکومت کا انتظام ہاتھ میں لیا ہے تو سی آئی ڈی سے کام لیے بغیر چارہ نہیں

وہی پریس کی آزادی جس کو باشندوں کے مدنی حقوق کی فہرست میں نمایاں جگہ دی جاتی تھی، آج اس کو خود پامال کیا جارہا ہے۔ اخبارات کی ضمانتیں بھی ضبط ہوتی ہیں۔ نئی ضمانتیں بھی مانگی جاتی ہیں، اور اڈیٹروں پر مقدمے بھی چلائے جاتے ہیں۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حکومت بمبئی نے حال ہی میں پولیس کمشنر کو پوری اختیارات عطا کئے ہیں کہ جس شخص کو چاہے بغیر مقدمہ چلائے شہر بدر کردے۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کلکتہ کی رپورٹ مندرجہ ٹائمز آف انڈیا۔ یکم نومبر ۳۷ء۔ ٹریبیون کا مقالہ افتتاحیہ۔ مورخہ ۷ اگست ۳۸ء۔ اور اخبار سرونٹ آف انڈیا مورخہ ۱۴ جولائی ۳۸ء)

کانگریسیوں سے دریافت کیجیے کہ گذشتہ ۱۳ مہینوں میں تم نے ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کے لئے کیا کیا، تو وہ دو چار نمائشی کاموں کے سوا اپنے کسی ایک کارنامے کا بھی حوالہ نہیں دے سکتے۔ ان کے پورے نامۂ اعمال کا خلاصہ مسٹر ایم این رائے کے الفاظ میں یہ ہے کہ:-

> "کانگریسی وزیروں نے امپیریلیسٹ اسٹیٹ کی مشین کو اندر سے توڑنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی۔ جو جنگی مورچے (Strategic positions.) ان کے قابو میں آئے ان کو بھی غنیم پر حملہ کرنے کے لئے انھوں نے استعمال نہیں کیا۔ وہ تو کانگریس ہائی کمانڈ کی رضا سو بلکہ اس کی ہدایت کے تحت اسی امپیریلیسٹ اسٹیٹ کے انتظام کو چلا رہے ہیں جسے توڑنے کا ارادہ ظاہر کرکے وہ گئے تھے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمانداری کا تقاضا ہے کہ اس امر کا صاف صاف اعتراف کر لیا جائے کہ کانگریسی وزارتیں عوام کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکی ہیں، اور نہ موجودہ دستور کی حد میں رہ کر وہ آئندہ کچھ کر سکیں گی" (نیشنل کال۔ مورخہ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۸ء)

سوال یہ ہے کہ جب حقیقت میں کانگریس نہ تو موجودہ آئین کو توڑ سکی اور نہ اس کو چلا کر ملک کی کوئی خدمت ہی کر سکی اور نہ آئندہ کسی حقیقی خدمت کے لئے اس آئین میں کوئی گنجائش ہی موجود ہے تو آخر وہ کیوں اس آئین کو چلا رہی ہے؟۔

اس سوال کی تحقیق اگر آپ واقعات کی روشنی میں کریں گے تو یہ حقیقت آفتاب کی طرح نمایاں ہو جائیگی کہ اس وقت کانگریس کے سامنے کوئی پروگرام اس کے سوا نہیں ہے کہ پراونشل آٹانومی سے جو اختیارات بھی حاصل ہو سکیں انہیں جدید ہندوستانی قومیت کی تخلیق کے لئے استعمال کیا جائے، اور اس ملک کی قلیل التعداد قوموں میں اپنے امتیازی وجود کو برقرار رکھنے کی جس قدر طاقت باقی ہے اسے حکومت کے زور سے ختم کر دیا جائے۔ نئے دستور کی بنیادی کمزوریوں کے باوجود اس کے پراونشل آٹانومی والے حصہ کو اسی بنا پر قبول کیا گیا ہے کہ اس کا یہی ایک پہلو روشن ہے، اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ باہزاراں عشوہ و ناز آخر کار اس کے فڈریشن والے حصہ کو بھی اسی روشن پہلو کی خاطر قبول کیا جائے گا تاکہ مسلم اکثریت والے صوبوں کو مرکزی اقتدار کے واسطے سے قابو میں لایا جا سکے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس پر کانگریس، ہندو مہاسبھا اور برٹش گورنمنٹ کے مفاد باہم مشترک ہو گئے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ جس طرح ایک سرمایہ دار قوم کا تعاون حاصل کرنے کے لئے فلسطین میں مسلمانوں کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئی، اسی طرح ہندوستان میں بھی وہ سمجھتی ہے کہ اگر مسلمانوں کو بھینٹ چڑھا کر ایک دوسری سرمایہ دار قوم کا تعاون حاصل کیا جا سکے تو یہ بہت اچھا سودا ہے۔ رہی مہاسبھا، تو اس کی عین تمنا ہی ہے جس کے لئے آج کل کانگریس کوشاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو ہم کانگریسی حکومتوں میں پنڈت نہرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسٹر دیسمکھ، بابو جگت نرائن لال اور ایسے ہی بہت سے کٹّے مہا سبھائیوں کو پرانے کانگریسیوں کے ساتھ دوش بدوش کام کرتے دیکھتے ہیں، اور دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ گورنر صاحبان کس ہوشمندی کے ساتھ کانگریسی وزارتوں سے معاملہ کر رہی ہیں: جب وہ سلطنت برطانیہ کے حِمیٰ (محفوظ چراگاہ) کی طرف بڑھتی ہیں تو یہ پوری طاقت سے باگ کھینچ لیتے ہیں، اور جب وہ کھلے میدان میں اقلیتوں کی کھیتی چرنے کے لئے جانا چاہتی ہیں تو یہ اطمینان کے ساتھ ڈھیلی رسّی چھوڑ دیتے ہیں۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ دستور میں اقلیتوں کی حفاظت کے لئے جو خاص اختیارات گورنروں کو دیئے گئے تھے ان کی غرض اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اگر کبھی خدانخواستہ کانگریسیوں نے اس سازش (گاندھی جی کے بقول "شریفانہ قرارداد" Gentleman's agreement.) سے جو اُن کے اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان ہو چکی ہے، انحراف کیا، اور تاج کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، تو اس وقت تاج کے بجائے اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کا بہانہ کر کے ان کی گوشمالی کی جا سکے۔

کانگریس اپنے اس مقدم ترین بلکہ واحد پروگرام پر کس طرح عمل کر رہی ہے۔ اس کی توضیح ذیل کے واقعات سے اچھی طرح ہو جائے گی:-

(۱) دستورِ جدید کے مطابق صوبوں کی حکومتوں کو (اور فیڈریشن قبول کرنے کی صورت میں مرکزی حکومت کو بھی) چلانے کے لئے پارٹی سسٹم اختیار کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کانگریس کی اکثریت ہے، وہاں خالص کانگریسی حکومت ہو، حکمراں پارٹی اور اس کی وزارت میں کوئی مسلمان یا غیر ہندو اس وقت تک شامل نہ کیا جائے جب تک کہ وہ کانگریس کے عہد نامہ پر دستخط کر کے کانگریس پارٹی کے ڈسپلن کا تابع نہ ہو جائے اور تمام اسمبلیوں کی کانگریس پارٹیاں مرکزی کانگریس کی قیادتِ علیا (High Command.) کی تابع فرمان بن کر رہیں۔ اس پالیسی کو مسٹر سوباش چندر بوس نے اپنے ایک بیان میں بدیں الفاظ واضح کیا ہے:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ، سوراج سے پہلے اور سوراج کے بعد، دونوں صورتوں میں آئندہ کے لئے ہمارا نعرہ ہوگا"

اسی پالیسی کو جناب مولانا ابوالکلام آزاد نے کانگریسی قیادت علیا کے وزیر مختار (Minister plenipotentiary.) کی حیثیت سے یوپی مسلم لیگ پارٹی کے سامنے بدیں صورت پیش فرمایا تھا کہ وہ ایک مستقل پارٹی کی حیثیت سے اپنے آپ کو فنا کرکے کانگریس پارٹی میں ضم ہو جائے، ورکنگ کمیٹی کی ہدایات اور پارٹی ڈسپلن کی پابندی قبول کرے اور آئندہ کے لئے عہد کرے کہ انتخابات میں اپنے علحدہ امیدوار کھڑے نہ کرے گی۔

ہندو اکثریت کی پارٹی میں اس طرح ضم ہو جانے اور اس کی ڈکٹیٹر شپ کو قبول کرنے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ مسلمان خود ہی برضا و رغبت ہندو راج کو قبول کرلیں، قبل اس کے کہ وہ پوری طرح ان پر بجبر مسلط ہو۔ عملاً اس ڈکٹیٹر شپ کا نتیجہ یہ ہے کہ جو مسلمان "بعض صوبوں کی وزارتوں میں لئے گئے ہیں وہ نہ مسلمانوں کے نمائندے ہیں، نہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے وزارت میں لئے گئے ہیں، اور نہ کانگریس ہائی کمانڈ کی پالیسی کے خلاف وہ کوئی حرکت کرسکتے ہیں۔ کانگریس کے تحت مسلمان وزرا اور ہندو وزرا کی حیثیت میں جس قدر بیّن فرق ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک سی پی کی مثال کافی ہے۔ مسٹر شریف، سابق کانگریسی وزیر نے جب ایک مسلمان مجرم کو اپنے اختیارات سے کام لے کر رہا کیا تو کانگریس ہائی کمانڈ نے فوراً ان سے باز پرس کی، اور انہیں وزارت سے الگ کر دیا، درانحالیکہ باقاعدہ تحقیقات سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ مسٹر شریف نے نہ تو اس معاملہ میں مذہبی عصبیت سے کام لیا ہے، نہ کسی قسم کی بددیانتی کی ہے، اور نہ جائز قانونی حدود سے تجاوز کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "مدینہ" مورخہ ۲۵ جون ۱۹۳۸ء)۔ اس کے برعکس ابھی تھوڑے ہی دن کا واقعہ ہے کہ پنڈت شکلا کی نئی وزارت نے برسر اقتدار آتے ہی پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ فسادات جبل پور کے ہندو ملزموں کو رہا کردیا جن پر قتل،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوٹ مار اور آتش زنی کے سنگین الزامات تھے، مگر اس پر کانگریس ہائی کمانڈ نے کسی باز پرس اور کسی تحقیقات کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ (ملاحظہ ہو "مدینہ" مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۳۸ء) پنڈت شکلا سے پہلے ڈاکٹر کھرے کی وزارت پر خود کانگریسیوں نے رشوت، خیانت، غبن اور اپنے متعلقین کو ملازمتوں میں بھرتی کرنے کے الزامات عائد کیے تھے، مگر ان کے معاملہ کو گاندھی جی نے یہ کہہ کر رفع دفع کر دیا تھا کہ:۔

"کانگریس بہرحال معمولی انسانوں پر مشتمل ہے اور وہ خوبیوں اور برائیوں، دونوں میں اس قوم کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہیں جس کی وہ نمائندگی کر رہی ہیں" (ٹریبون مورخہ ۹ اجون ۱۹۳۸ء)

---

(۲) پارٹی گورنمنٹ اور پارٹی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ جداگانہ انتخاب ہے کیونکہ اس کی بدولت مسلمانوں کی آواز نمایاں طور پر علیحدہ بلند ہو سکتی ہے، اور اگر مسلمان نمائندوں کی بڑی اکثریت کانگریس پارٹی سے الگ رہے تو پارٹی گورنمنٹ قائم کرنے کی صورت میں کانگریس کی مہا بھائیت بالکل بے پردہ ہونے لگتی ہے۔ مخلوط انتخاب کا مطالبہ اسی بدنمائی کو دور کرنے کے لئے بار بار پیش کیا جاتا تھا، مگر انگریز ابھی اُس "شریفانہ قرارداد" پر پوری طرح اعتماد کرنے کے لئے تیار نہ تھا جو اس کے اور کانگریس کے درمیان زیر تجویز تھی، اس لئے مسلمانوں کے مفاد کی خاطر نہیں بلکہ خود اپنے مفاد کی خاطر اس نے جداگانہ انتخاب کو برقرار رکھا۔ اس میں ناکام ہونے کے بعد دوسری تدبیر یہ نکالی گئی کہ جداگانہ انتخاب میں اندر سے نقب لگائی جائے، یعنی کانگریس براہِ راست مسلمان حلقہ ہائے انتخاب میں جا کر مسلمان ووٹروں کو ہموار کرے اور ایسے مسلمانوں کو اُن سے منتخب کرا لائے، جو پارٹی ڈسپلن اور ڈکٹیٹر شپ کو بخوشی قبول کرنے والے ہوں، ہائی کمانڈ کے غلام بن کر رہیں، جس طرح ہائی کمانڈ انہیں اٹھائے اس طرح اٹھیں اور جس طرح بٹھائے اس طرح بیٹھیں، جس قسم کے قوانین کانگریس کی ہندو اکثریت پاس کرنا چاہتی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی طرف سے بے چون وچرا منظور کرلیں اور مسلمانوں کی قومیت کو فنا کرنے کے لئے جو جو تدبیریں کوئی مہاتما یا کوئی پنڈت سوچے ان کو مسلمانوں میں نافذ کرنے کی خدمت مہاتما جی یا پنڈت صاحب نہیں بلکہ کوئی خان صاحب اور کوئی سید صاحب انجام دیں ۔۔۔۔ اسی چیز کا نام مسلم ماس کانٹیکٹ ہے۔

اس کے مہلک نتائج پر میں پچھلے صفحات میں کافی بحث کرچکا ہوں، مگر یہاں اس کے ایک اور خطرناک نتیجہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر مسلم اکثریت کے صوبوں میں یہ تحریک کامیاب ہوجائے تو جہاں مسلمان پراونشل آٹانومی سے فائدہ اٹھا کر کسی حد تک اپنی خود مختارانہ حکومت چلا سکتے ہیں، وہاں بھی وہ اس کے فائدے سے محروم ہوجائیں گے۔ ان صوبوں کی حکومتیں بھی کانگریس ہائی کمانڈ کی تابع فرمان ہوجائیں گی، وہاں بھی وہی پالیسی نافذ ہوگی جو کانگریس کی ہندو اکثریت نافذ کرانا چاہے گی، اور وہاں کے وزراء کی بھی اسی طرح بات بات پر گوشمالی کی جاسکے گی جس طرح سی پی کے مسلمان وزیر کی کی گئی۔ یہ گویا فڈریشن سے پہلے فڈریشن کا قیام ہوگا، اور اس فڈریشن میں مرکز کا اقتدار برطانوی حکومت کے تجویز کردہ وفاقی مرکز سے بھی زیادہ سخت اور ہمہ گیر ہوگا ۔۔۔۔ صوبۂ سرحد کی مثال اس نتیجہ کی توضیح کے لئے بالکل کافی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جہاں ۹۵ فی صدی مسلمان اکثریت ہے، وہاں بھی حکومت کی پالیسی اور وزارت کی گردن کانگریس ہائی کمانڈ کے ہاتھ میں ہے۔ واردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم میں جو تعلیمی پالیسی گاندھی جی نے تجویز فرمائی ہے اسے سمجھنے اور سرحدی پٹھانوں میں نافذ کرنے کے لئے پشاور سے ماہرین تعلیم دہلی اور واردھا بھیجے جاتے ہیں (نیشنل کال مورخہ ۲۸ جون ۳۸ء و ٹریبیون مورخہ ۲۲ جولائی ۳۸ء) سرحد کا وزیر اعظم ہندوؤں کو خوش کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے وعدہ کرتا ہے کہ انجمن حمایت اسلام کی ریڈریں مسلمان بچوں کو بھی نہ پڑھائی جائیں گی ایک مسلمان ملزم کو الزام سے بری پاکر ملازمت پر بحال کر دیا جاتا ہے تو ہندو مہاسبھا شور محشر برپا کر دیتی ہے، کانگریس ہائی کمانڈ اس کی بازپرس کے لئے سرحد کے وزیر اعظم کو بمبئی کھینچ بلاتی ہے، اور اس جرم عظیم کی تحقیقات کے لئے کمیشن مقرر کر دیا جاتا ہے ـــــــ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے پراونشل آٹانومی عملاً بے معنی ہو جائے، وہ جہاں اکثریت میں ہوں وہاں بھی اقلیت کی طرح بے بس ہو کر رہ جائیں، اور تمام ہندوستان پر انگریز کے زیر سایہ کانگریس کی ہندو اکثریت حکمرانی کرے۔ یہ برکت ہے مسلم ماس کانٹیکٹ کی۔

(باقی)

حسب اعلان آئندہ پرچہ میں وہ تمام مضامین جو شعبان ۵۶ھ سے اب تک سیاسیات پر لکھے گئے ہیں نئی ترتیب کے ساتھ یکجا شائع کئے جائیں گے اور اس سلسلہ کی تکمیل بھی اسی پرچے میں ہو گی۔

© rasailojaraid.com